ماہنامہ تہذیب الاخلاق
جلد: ۴۰، شمارہ: ۲، فروری ۲۰۲۱ء

ڈاکٹر شکیل احمد *

ہندوستانی مذاہب کے ساتھ مکالمہ کے طریقے

(شریعت کی روشنی میں)

امریکی سیاست کار سیموئیل پی ہنٹنگٹن کے مقالہ ''تصادم تہذیب'' کے ذریعہ عالمی پیمانہ پر جو سراسیمگی کا ماحول پیدا ہوا تھا، اس سے نبردآزما ہونے کے لیے سابق ایرانی صدر محمد خاتمی نے ''مکالمہ بین تہاذیب'' کی تجویز رکھی تھی۔ اس سے قبل اقوام متحدہ نے بین ثقافتی مکالمہ کی ایک بین الاقوامی کانفرنس منعقد کی تھی جو نتیجہ خیز ثابت نہ ہوسکی۔ اسی تعطل کے دور میں ستمبر ۲۰۰۶ء میں پوپ بینڈکٹ نے ایک جرمن یونیورسٹی میں تقریر کرتے ہوئے، صلیبی جنگ کے ایک سورما کے حوالہ سے یہ متنازعہ بیان دے ڈالا کہ ''اسلام تشدد کا مذہب ہے''، جس سے بین مذہبی مکالمات کی فضا خاصی مکدر ہوئی۔ اس بحران میں اردن کے آل اہل بیت ٹرسٹ کے پرنس غازی بن محمد کی تحریک پر ۸۳ علماء کے دستخطوں سے پوپ بینڈکٹ کے نام ایک کھلا خط ''کلمۂ سواء'' (Common Word) جاری کیا گیا جس میں دو بنیادی پیغامات دیئے گئے تھے: خدا سے محبت اور پڑوسی سے محبت۔ ''کلمۂ سواء'' کے مشمولات پر کرسچین دنیا میں ملا جلا اثر ہوا اور بات آئی گئی ہوگئی۔ یہاں تک کہ سعودی فرمانروا شاہ عبداللہ نے جولائی ۲۰۰۸ء میں رابطۂ عالم اسلامی کے پلیٹ فارم سے تکثیری معاشروں میں مسلمانوں کے رول، خاص طور سے ہندوستان اور انڈونیشیا میں اس کے اندرونی میکانزم کی شناخت کے لیے مکہ کانفرنس میں بین تہاذیب مکالمہ کا اِیشو اُٹھایا جس کے ایک ماہ بعد میڈرڈ میں ''عالمی کانفرنس برائے مکالمہ'' منعقد کی گئی۔ جس کا غالبًا سب سے مثبت ردّعمل یہ ہوا کہ اقوام متحدہ نے سال ۲۰۰۱ء کو اپنے ''بین تہاذیب مکالمہ'' سال کے بطور منایا۔ تقریباً چوتھائی صدی کے اس سفر سے ظاہر ہے کہ بین تہاذیب مکالمہ ہنوز اپنے اہداف کے حصول کا منتظر ہے۔

بین تہاذیب مکالمہ کا کم سے کم ہدف یہ ہے کہ مختلف تہذیبوں کے درمیان ترسیل کا رابطہ جاری رہ سکے۔ شریعت اسلامی روزِ اول سے ہی اس مقصد کو ایک کارِ خیر کی طرح اولیت دیتی رہی ہے۔ بین تہاذیب مکالمہ کے تعلق سے دنیا کی تہذیبوں میں دو طرح کے رجحانات کی نشان دہی کی گئی ہے۔ کچھ تہذیبیں مکالمہ کو اپنے گروہی مقاصد کے پیش نظر ایک طرح کا خطرہ سمجھتی ہیں۔ اس طرح کے تین رجحانات کا تجربہ اہلِ اسلام کو ہوچکا ہے۔ بعض گروہوں، مثلاً کرسچین حضرات میں دیکھا گیا ہے کہ وہ اپنے ڈائیلاگ کو مونولاگ بنانے کے لیے مخصوص ساخت میں ڈھال کر پیش کرتے ہیں جس میں فریق ثانی کی ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ وہ خطیب کی بات کو خاموشی کے ساتھ سنتا رہے۔ اسی طرح بعض تہذیبی گروہ مکالمہ کی شروعات اس اصرار سے کرتے ہیں کہ ان کے ترجمان

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد (تلنگانا) — موبائل: +91-9811647505، ای میل: shakeel1781@gmail.com

کے دعووں کو قول حق کی طرح بے چوں وچرا تسلیم کرلیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس کے بعد مکالمہ کا جواز ہی نہیں رہتا۔ ایک تیسرا گروہ سردارانِ قریش کی طرح مشترک رسومات کی تلاش کرتا ہے جیسا کہ مذہبی تکثیر کے عنوان سے اکثر کہا جاتا رہا ہے۔ یہ گروہ اکثر بھول جاتا ہے کہ مکالمہ کا مقصد کوئی نیا مذہب تشکیل دینا نہیں بلکہ تلاش حق کے ذریعہ پُرامن بقائے باہم کی تلاش ہے۔

شریعت اسلامی کے نزدیک بین تہاذیب مکالمہ کا مقصد اس پُرامن بقائے باہم کے زیرسایہ افراد انسانی اور انسانی معاشروں میں صلاح وفلاح کے امکانات روشن کرنا ہے اور اسی لیے اس طرح کے مکالمات کے نقوشِ راہ اسلامی تاریخ کے ہر دور میں تلاش کیے جاسکتے ہیں۔قریش مکہ کے ساتھ حلف الفضول سے لے کر یہود کے ساتھ میثاق مدینہ اور وفود قبائل کے ساتھ معاہدات اور پھر اقوام امم کے لیے اعلامیہ حجۃ الوداع تک ایسے روشن نظائر بکھرے پڑے ہیں جن کی روشنی میں مذہبی، لسانی اور ثقافتی تکثیریت کے ساتھ بامعنی مکالمہ کے شرعی خدوخال بآسانی متعین کیے جاسکتے ہیں، جیسا کہ تاریخ کے ایک لمبے دور میں عرب آبادیوں کے علاوہ ایران وترکستان اور اسپین و بلقان حتیٰ کہ ہندوستان میں بھی کیا جاچکا ہے۔عصر حاضر میں کسی بامقصد مکالمہ کے پروگرام کو دوشقوں میں بیان کیا جاسکتا ہے: (۱) حلف الاصول اور (۲) شہادت حق۔

(۱) حلف الاصول

رسول اللہؐ نے عہد جاہلیت میں قریش مکہ کے ساتھ 'حلف الفضول' میں شرکت کی تھی جس کا مقصد امن و انصاف کی پائیداری کرنا تھا۔'حلف الفضول' رسول کریمؐ کو اتنا عزیز تھا کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر اس طرح کا کوئی معاہدہ آج بھی کیا جائے تو میں اس میں شرکت کروں گا۔

اس سے ظاہر ہے کہ اسلام مذہبی اختلاف کو خیر وصلاح کے قول وقرار میں حارج نہیں مانتا ہے۔ البتہ حلف الفضول مستقل اصولوں پر مبنی تھا جب کہ آج کا غالبًا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ہر اصول افادی نکتۂ نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ یوں تو دستور ہند ہندوستانی مسلمانوں کے لیے بھی ملک کا برترین قانون ہے لیکن بالغ رائے دہی کے موجودہ جمہوری اصول کی بدولت اس کا حال یہ ہے کہ اس کی اپنی حیات کثرت آراء کی رہین ہے جو گروہی افادیت کے اشاروں پر بار بار بدلتی رہتی ہے۔نتیجتاً پورے ملک میں اصول وقانون کا احترام مجروح ہوجاتا ہے۔آج ملک میں پھیلی ہوئی افراتفری اور انتشار یا نفسانفسی اس بے راہ روی سے بعید نہیں۔ بہرحال یہ حالات مسلمانوں سے مایوسی اور کسمپرسی کا منھ دیکھنے کے بجائے ایک 'حلف الاصول' کے قیام کا تقاضا کرتے ہیں، کیوں کہ وہ وحدت بنی آدم کے داعی ہیں:

يَـٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَـٰكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَـٰكُمْ شُعُوبًا وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوٓا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللّٰهِ أَتْقَىٰكُمْ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ (الحجرات:۱۳)

[لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔]

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان العباد کلّھم اخوۃ

[بلاشبہ سارے ہی انسان آپس میں بھائی ہیں۔]

حلف الاصول کا اوّلین مقصد ہوگا دیانت وتقویٰ کا

ایک معروف معیار قائم کرنا خواہ وہ کسی قدر کم ہو، کیوں کہ اصولوں کے فقدان میں کوئی بھی مکالمہ بے سمتی کا شکار ہوسکتا ہے۔ ایسی کوئی بھی کوشش بلکہ اس میں شرکت کی کوشش بھی ہمارے لیے ایک دینی فریضہ ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوْا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (المائدۃ:۲)

[جو کام نیکی اور خداترسی کے ہیں ان میں سب سے تعاون کرو اور جو گناہ اور زیادتی کے کام ہیں ان میں کسی سے تعاون نہ کرو۔ اللہ سے ڈرو، اس کی سزا بہت سخت ہے۔]

ایسے تعاون کی فضیلت میں رسول اکرمؐ کی ایک حدیث میں وارد ہوا ہے:

واللہ فی عون العبد ما کان العبد فی عون اخیہ [۲]

[اللہ بندے کی مدد میں رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے۔]

یہاں پر غور طلب یہ ہے کہ تعاون کی ذمہ داری عدم تعاون کی حدود کے ساتھ مشروط ہے، لہٰذا حلف الاصول میں اس کی بھی صراحت ہونی چاہیے۔ معروف میں تعاون کے لیے شریعت نے بڑی گنجائش رکھی ہے جس کا کماحقہ احاطہ اس مختصر مضمون میں ممکن نہیں، البتہ اس کے ضروری نکات یہاں پر تین عنوانات کے تحت بیان کیے جاتے ہیں۔

(الف) ارتباط ملل

بین تہذیب مکالمہ کی غالب اوّلین ضرورت یہ ہے کہ بین الملل اجنبیت کا ماحول ختم ہو اور لوگوں میں بلا تردد اشتراک وتعاون کا جذبہ پیدا ہو۔ اسلام میں اس کی شروعات 'سلام' سے ہوتی ہے اور ہمیں اس کا حکم دیا گیا ہے۔ غیر مسلمین کے اصلاح حال کی دعاء بھی کی جاسکتی ہے۔ اسلام کے مفاد میں انھیں ہدایا دیئے بھی جاسکتے ہیں اور قبول بھی کیے جاسکتے ہیں۔ اسی طرح انھیں کسی ضرورت سے مسجد میں بلانے کی بھی گنجائش ہے[۳]۔ اس ارتباط باہمی کے دوران اپنے قول وعمل سے یہ باور کرانے کی بھی ضرورت ہے کہ اسلام دین و مذہب کے معاملہ میں کسی زور زبردستی کا قائل نہیں:

لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (البقرہ۔۲۵۶)

[دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔]

انھیں یہ بھی بتایا جائے کہ رنگ ونسل کے اختلافات خیالی اور عینی ہیں بلکہ اختلاف رنگ ولسان تو قرآن کے نزدیک اللہ کی آیات میں سے ہے:

وَمِنْ آيَاتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ (الروم:۲۲)

[اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف ہے۔]

اسی طرح دولت کے غرور کی خامیاں بھی واضح کی جاسکتی ہیں۔ اونچ نیچ کی دیواریں گرائی جاسکتی ہیں اور اسلام سے متعلق غلط فہمیوں بالخصوص خورد ونوش اور معاشرتی رسومات کی مغائرت کو دور کرنے کی کوشش کی جاسکتی ہے۔

(ب) مساوات وعدل

تہذیبی مفاہمت کے فروغ کے لیے مساوات اور عدل پر اصرار بھی ضروری ہے اور اس کی بنیاد یعنی تکریم آدم کو عام اور مشترک بنایا جاسکتا ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ (بنی اسرائیل:۷۰)

[یہ تو ہماری عنایت ہے کہ ہم نے بنی آدم کو مکرم بنایا۔]

تکریم آدم کا تقاضا ہے کہ ہر انسان کو مکرم سمجھا جائے، اس طرح کہ پوری خلقت اللہ کا کنبہ نظر آئے:

الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الیٰ عیاله[۴]

[ساری مخلوق اللہ کی عیال ہے، اللہ کو مخلوق میں سب سے محبوب وہ ہے جو اس کی عیال کے ساتھ حسن اخلاق کرے۔]

اس تکریم کا یہ بھی تقاضا ہے کہ انسانوں کے درمیان جبر وظلم اور تشدد و بربریت کا سلسلہ ختم کیا جائے اور رحم دلی اور ہمدردی اس کی جگہ لے:

ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء[۵]

[تم زمین والے پر رحم کرو۔ آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔]

اس لحاظ سے قیام امن کو انسانی معاشرہ میں دائمی بنایا جاسکتا ہے:

وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا۔ (الاعراف:۵۶)

[زمین میں فساد برپا نہ کرو جب کہ اس کی اصلاح ہو چکی ہے۔]

مساوات اور تکریم انسانی کو پائیدار اقدار بنانے کے لیے عدل وقسط پر اصرار بھی ضروری ہے، ایجاباً بھی:

وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ (المائدہ:۴۲)

[اور فیصلہ کرو تو پھر ٹھیک ٹھیک انصاف کے ساتھ کرو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔]

اور سلباً بھی:

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ (المائدہ:۸)

[کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کردے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔]

(ج) مسائل بنام حقوق

تاریخ کے موجودہ موڑ پر اسلام اور اس کی اقدار کی حیثیت ایک اجنبی کی سی بن گئی ہے۔ لہٰذا وہ گوں ناگوں مسائل سے دوچار ہوتی رہتی ہیں۔ ایک جمہوری حکومت کے اندر مسائل کو شہریوں کے کسی بڑے پلیٹ فارم پر اُٹھانے میں مضائقہ نہیں بلکہ بعض مسائل مثلاً فرقہ واریت اور فرقہ وارانہ فسادات تو خود ملک کے لیے ایک کریہہ سوالیہ نشان بن چکے ہیں[۶] چنانچہ اقلیتی مسائل کو اُٹھانا ملک وقوم کی ایک خدمت بھی ہے۔ لیکن اپنے مسائل کو روز بروز اُٹھاتے رہنے سے یہ تاثر بھی پیدا ہوتا ہے کہ مسلمان ایک خود پسند اور ضدی قوم ہیں جنھیں اپنے مطالبات کی 'منھ بھرائی' کے علاوہ ملک سے کوئی دلچسپی نہیں۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ مسائل کے بجائے ملک میں حقوق انسانی کی صورت حال پر توجہ کی جائے اور صرف اپنے حقوق کے اتلاف پر نہیں بلکہ ملک کے تمام مظلوموں اور کمزوروں کے حقوق کی بحالی کے لیے طاقت ور تحریک چلائی جائے۔

(۲) شہادت حق

اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ مسلمان اپنی مخصوص تہذیب وثقافت کے باوجود ایک دعوتی گروہ ہیں اور ان کا ہر کام حتیٰ کہ مکالمہ کا مقصد بھی شہادت حق ہے اور ہونا چاہیے:

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ (آل عمران:۱۱۰)

[اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی

ہدایت واصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بُرائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔]

دعوت حق ایک ایسا میدان ہے جس کے تقریباً ہر پہلو کے تعلق سے گزشتہ چودہ سو صدیوں کا لٹریچر ہی کافی وشافی ہے۔ اور بین مذاہب مکالمہ کی تفصیلات کے لیے اس میں درج ہدایات اب تک خاصی معلوم ومعروف ہو چکی ہیں۔ یہاں صرف یہ توجہ دلانے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ ہر مکالمہ کے لیے مخاطب گروہ کی شناخت اور اس کی خصوصیات کے موافق طریق کار ضروری اور مفید ہوتا ہے۔ سابقہ تجربات کی روشنی میں ہندوستان میں بھی تین طرح کے گروہوں کے ساتھ تعامل کی ضرورت ہوگی:

(الف) جویان حق

وہ سلیم الطبع لوگ جو حق کے متلاشی ہیں، ان کے لیے قرآن کی ایک ہی دعوت ہے:

تَعَالَوا اِلیٰ کَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَّیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ (آل عمران:۶۴)

[آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے۔]

اس گروہ کو یہ یاد دہانی کرائی جاسکتی ہے کہ تمام انبیاء سابقین کی دعوت ایک ہی رہی ہے:

اُعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلٰهٍ غَيْرُهُ (الاعراف:۶۵)

[اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔]

اسی گروہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے:

اُدْعُ إِلٰى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (النحل:۱۲۵)

[اے نبی، اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقہ پر جو بہترین ہو۔]

اور:

وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتٰبِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ (العنکبوت:۴۶)

[اور اہلِ کتاب سے بحث نہ کرو مگر عمدہ طریقہ سے سوائے ان لوگوں کے جو ان میں سے ظالم ہوں۔]

تاہم انھیں، بالخصوص اہلِ کتاب کو تذکیراً توجہ دلائی جاسکتی ہے:

وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُم (آل عمران:۱۱۰)

[اور اگر اہلِ کتاب ایمان لے آتے تو خود ان کے لیے بہتر تھا۔]

امید ہے کہ سیرت نبیؐ، صالحین امت کی اخلاقیات، قرآن میں مذکور غیبی خبریں اور جدید انکشافات اس گروہ کے لیے چشم کشا ثابت ہوں گے۔

(ب) مذبذبین و متشککین

وہ حضرات جو اقرار حق کے لیے ہنوز شبہات اور تحفظات کا اظہار کرتے ہیں، ان کے ساتھ ان کی اپنی مقدس کتابوں سے استدلال کرنا مفید ہوگا۔ انفس وآفاق کے قطعی دلائل بھی انھیں مطمئن کر سکتے ہیں اور اس سلسلہ میں قرآن ہمارا رہبر ثابت ہوگا۔ اس گروہ کے ساتھ مکالمہ کے لیے اسلوب نکیر بھی استعمال کیا جاسکتا ہے، مثلاً ان سے یہ سوال کہ:

يَا أَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللّٰهِ وَأَنتُمْ تَشْهَدُونَ (آل عمران:۷۰)

[اے اہلِ کتاب، کیوں اللہ کی آیات کا انکار کرتے

ہو حالاں کہ تم خود ان کا مشاہدہ کر رہے ہو؟]

اور انھیں قرآن کی طرف دعوت دی جاسکتی ہے:

وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ . وَأَنْ أَتْلُوَ الْقُرْآنَ (النمل:۹۱-۹۲)

[مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلم بن کر رہوں اور یہ قرآن پڑھ کر سناؤں۔]

(ج) معاندین ومنکرین

بعض لوگ سرکش اور ہٹ دھرم بھی ہو سکتے ہیں، بلکہ وہ استہزاء اور تضحیک پر اُتر سکتے ہیں۔ ان کی کٹ حجتی کا جواب کٹ حجتی سے نہیں دیا جاسکتا۔ بلکہ قرآن نے ہمیں سکھایا ہے:

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ (الکہف:۲۸)

[اور اپنے دل کو ان لوگوں کی معیت پر مطمئن کرو جو اپنے رب کی رضا کے طلب کار بن کر صبح و شام اسے پکارتے ہیں، اور ان سے ہرگز نگاہ نہ پھیرو۔]

اور:

فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ۔ (طٰہٰ:۱۳۰)

[پس اے نبیؐ، جو باتیں یہ لوگ بناتے ہیں ان پر صبر کرو۔]

اور:

فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ (قٓ:۳۹)

[اے نبیؐ، جو باتیں یہ لوگ بناتے ہیں ان پر صبر کرو اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے رہو، طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے۔]

شریر مستہزئین کے لیے ہمیں ہدایت دی گئی ہے:

قُلْ لِّلَّذِينَ آمَنُوا يَغْفِرُوا لِلَّذِينَ لَا يَرْجُونَ أَيَّامَ اللَّهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ (الجاثیۃ:۱۴)

[اے نبیؐ، ایمان والوں سے کہہ دو کہ جو لوگ اللہ کی طرف سے بُرے دن آنے کا کوئی اندیشہ نہیں رکھتے، ان کی حرکتوں پر درگزر سے کام لیں تا کہ اللہ خود ایک گروہ کو اس کی کمائی کا بدلہ دے دے۔]

اور:

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ۔ (النساء:۱۴۰)

[اللہ اس کتاب میں تم کو پہلے ہی حکم دے چکا ہے کہ جہاں تم سنو کہ اللہ کی آیات کے خلاف کفر بکا جا رہا ہے اور ان کا مذاق اُڑایا جا رہا ہے وہاں نہ بیٹھو جب تک کہ لوگ کسی دوسری بات میں نہ لگ جائیں۔]

کسی مرحلہ میں معاندین ومنکرین کے ساتھ برأت بھی واجب ہوسکتی ہے لیکن اس سے پہلے ضروری ہے کہ انھیں یاد دلایا جائے:

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ (البقرہ:۲۵۶)

[دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔]

اور:

لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ (الکافرون:۶)

[تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین۔]

بہر حال برأت واجبہ پر ہمارا پروگرام ختم نہیں ہوجاتا ہے بلکہ اس کے بعد صبر و استقامت کے ساتھ معاندین و منکرین کے لیے اللہ کے حضور دعا کرنی ہے کہ اللہ حق بات کے لیے ان کے سینے کھول دے۔ (باقی صفحہ ۴۵ پر)